سورة البقره

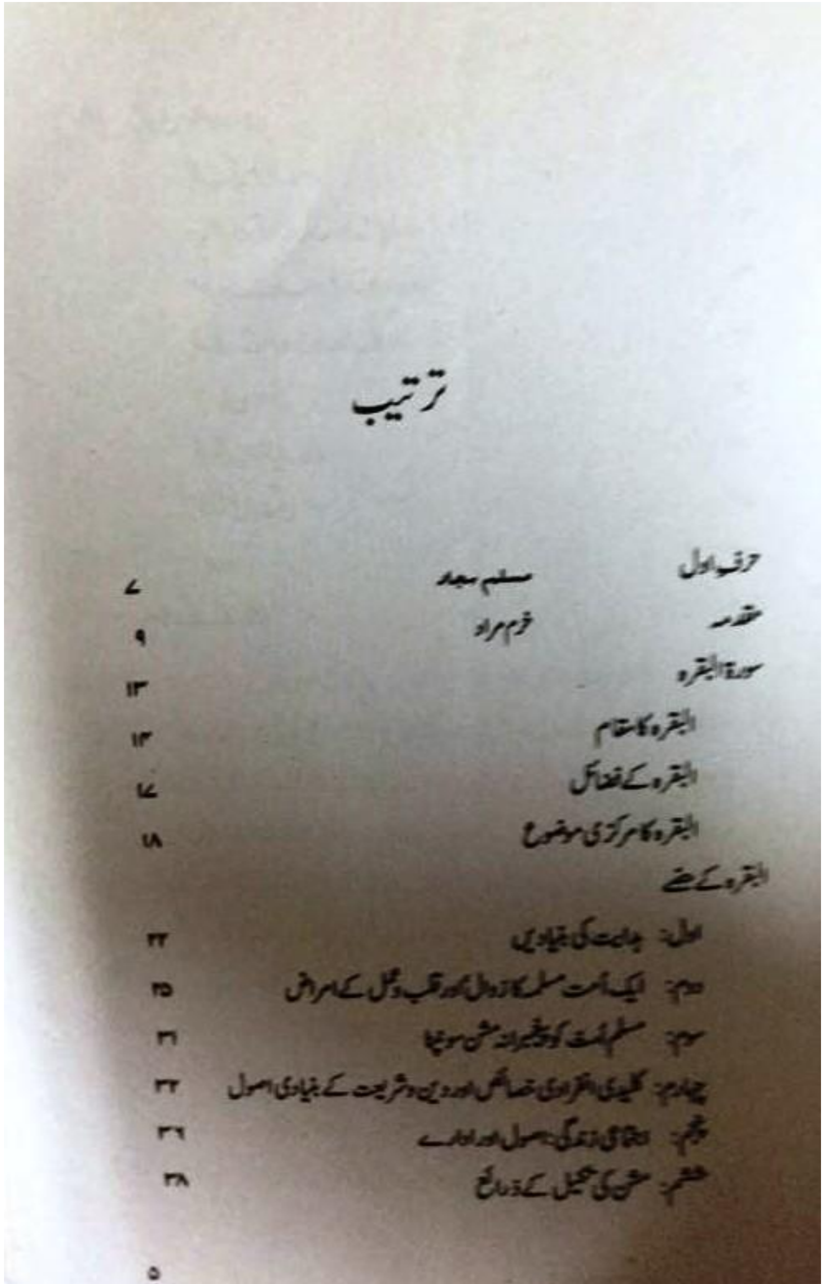

ترتیب

حرفِ اول	مسلم سجاد	۷
مقدمہ	خرم مراد	۹
سورۃ البقرہ		۱۳
البقرہ کا مقام		۱۳
البقرہ کے فضائل		۱۷
البقرہ کا مرکزی موضوع		۱۸
البقرہ کے حصے		
اول: ہدایت کی بنیادیں		۲۲
دوم: ایک امتِ مسلمہ کا زوال اور قلب و عمل کے امراض		۲۵
سوم: مسلم امت کو پیغمبرانہ مشن سونپنا		۳۱
چہارم: کلیدی انفرادی خصائص اور دین و شریعت کے بنیادی اصول		۳۲
پنجم: اجتماعی زندگی: اصول اور ادارے		۳۶
ششم: مشن کی تکمیل کے ذرائع		۳۸

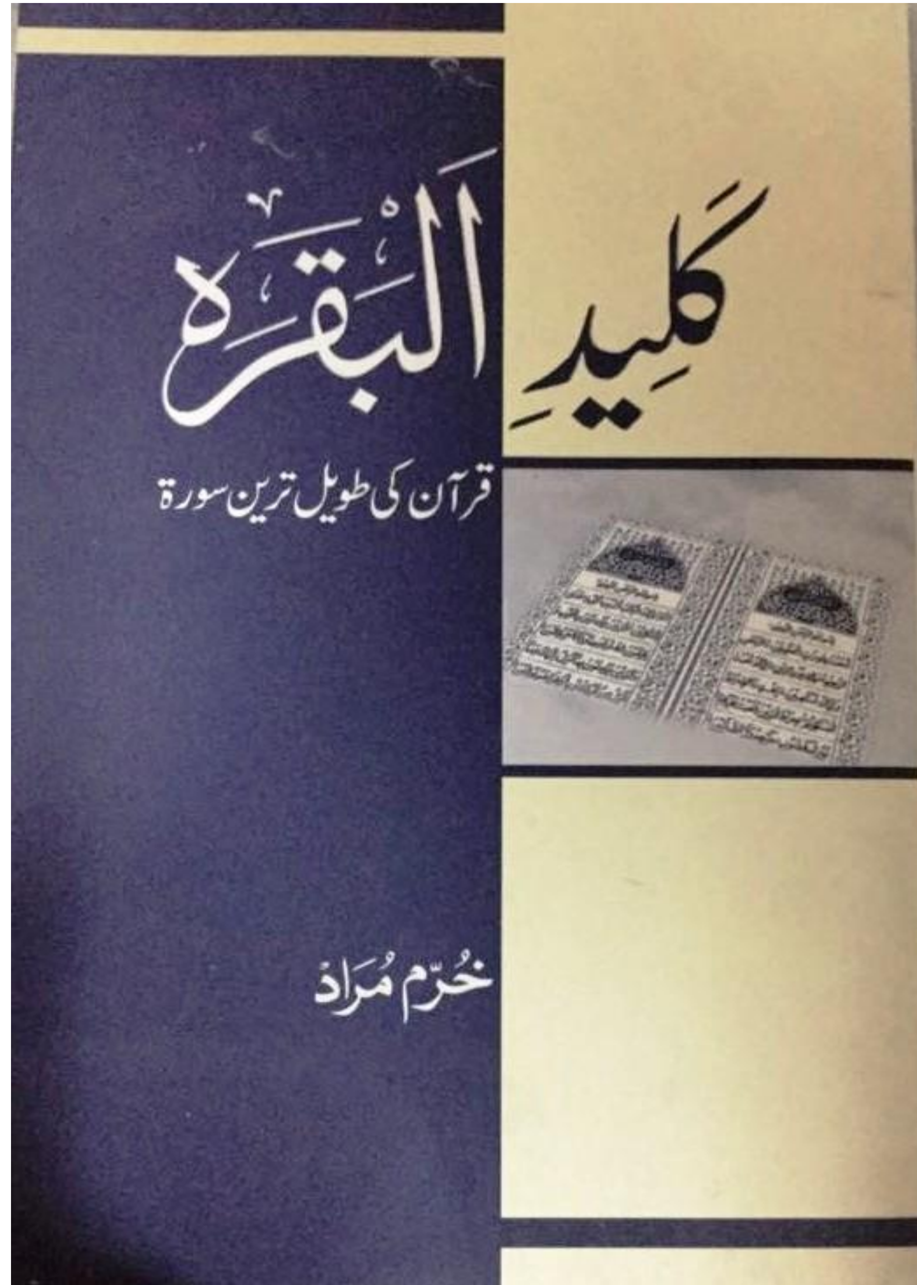

بعض مرکزی موضوعات

قلب کی مرکزیت

مراسم اور قوانین کی روح پر زور ۴۵

معروف مذہب اور فرقہ واریت ۴۶

اُمت کے عروج و زوال کا راز ۴۸

آسان راستہ ۵۰

فرد کو بااختیار بنانا ۵۱

اجتماعی زندگی ۵۱

جہاد ۵۲

مزید مطالعے کے لیے ۵۳

۵۴

حرفِ اوّل

Key to Al Baqarah جب شائع ہوئی تو محترم خرم مراد نے معمول کے مطابق ایک کتاب مجھے دی۔ میں نے یہ گمان کیا کہ سورہ بقرہ پر ہم نے جو کچھ تفہیم القرآن میں پڑھا ہے وہی اس میں انگریزی میں ہوگا۔ چنانچہ ایک طرف رکھ دی۔ برسوں بعد اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد کے رسالے **Islamic Studies** میں اس پر طویل تبصرہ شائع ہوا۔ کراچی سے ایک دوست نے مجھ سے کہا: آپ اس کتاب کا ترجمہ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا یہ تو چکر ہو جائے گا' خرم بھائی اردو سے انگریزی کریں اور میں اسے انگریزی سے اردو کروں۔ تفہیم کے علاوہ اس میں کیا ہوگا؟ ان صاحب نے کہا: نہیں آپ کتاب پڑھ کر دیکھیں۔ میں اسلام آباد گیا تو تبصرہ نگار سے ملا۔ انھوں نے مجھے قائل کیا کہ اس کا اردو میں ترجمہ تفسیری لٹریچر میں ایک اضافہ ہوگا۔ چنانچہ نیت کر لی اور روزانہ صبح دفتر جا کر ایک گھنٹہ ترجمہ املا کرانا شروع کیا۔ اس طرح بالآخر مکمل ہو گیا۔ قرآن کا راستہ نے راستہ دکھا رکھا تھا۔ چنانچہ یہ ترجمہ اپنے رفقا ڈاکٹر عبدالقدیر سلیم، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور سلیم منصور خالد کو نظر ثانی کے لیے ارسال کیا۔ مجھے ان سب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ مقررہ وقت میں انہوں نے نظر ثانی اور ترمیم و اضافے کے

ساتھ مجھے دیا۔ میں نے تینوں سے استفادہ کیا، اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

اسے شائع کرنے سے پہلے ایک مرحلہ یہ آیا کہ اس کا بیشتر حصہ قوموں کا عروج وزوال کے عنوان سے ترجمان القرآن، جولائی، اگست 2005ء میں شائع کیا گیا۔ اس پر صنعا (یمن) کے عبدالرحمٰن الکاف کا مراسلہ موصول ہوا جس نے اس کتابچے کی قدر و قیمت ہماری نظروں میں بڑھادی۔

انہوں نے شکایت کی کہ آپ نے مقالے کا عنوان دے کر گویا یہ ظاہر کیا کہ لکھنے والا مفسر قرآن نہیں۔ ان کے بقول خرم مراد سورہ بقرہ میں غوطہ زن ہو کر اس کے مرکزی مضمون تک پہنچ گئے جہاں اب تک کوئی نہیں پہنچا تھا۔ ان کے الفاظ میں "بیسویں صدی کے قرآنی سمندر کے ایک ایسے غواص کا نام لے رہا ہوں جن کے ہاتھ اس عظیم سورت کا گوہر نایاب مرکزی موضوع کے نام سے آیا۔ میری مراد برادر معظم خرم مراد ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: البقرہ کا مرکزی موضوع ہے کیا؟ میری رائے میں اس کا مرکزی مفہوم امت مسلمہ کا مشن ہے۔ اس کی تعریف کرنا' اسے بیان کرنا' امت کو اس کی تکمیل کے لیے آمادہ کرنا' ایثار کرنا اور تیار کرنا۔ اس مشن کو ترک کرنے یا اس کے انحراف کرنے کے خلاف تنبیہ کرنا اور تحفظ فراہم کرنا۔"

اس تمہید کے ساتھ البقرہ (اور مصنف کے الفاظ میں اس طرح پورے قرآن) کے فہم کی کلید، کلیدِ البقرہ کے نام سے آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

مسلم سجاد

مقدمہ

کوئی کتاب بھی قرآن کی مانند نہیں ہے۔ یہ دل کی دھڑکنوں میں اضافہ کرتی ہے اور قوموں کو عزت و سربلندی کی شاہراہ پر آگے ہی آگے بڑھاتی ہے۔ یہ انسان کی ابدی اور فطری تلاش اور پیاس کا جواب ہے۔ یہ مسلمانوں کے لیے ان کی تقدیر کا حتمی فیصلہ کرتی ہے، خواہ یہ تہذیب اور شان و شوکت کی بلندیوں تک ان کا عروج ہو یا ذلت و مسکنت کے تحت الثریٰ میں ان کا زوال۔ اس کا انحصار اس پر ہے کہ وہ اپنی زندگی میں قرآن کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

قرآن کے پاس دینے کے لیے ایسے بیش قیمت خزانے ہیں کہ جن کے بیان سے یہ زبان عاجز ہے۔

- اپنے خالق کے ساتھ خیر و برکت سے بھرپور باتیں کرنے کی ابدی مسرت و سرشاری،
- اپنے مالک کے راستے پر رہنمائی کے لیے علم و دانش کے بہت بڑے خزانے،
- روشنی کی وہ شعاعیں جو روح کی گہرائیوں اور زندگی کے اجتماعی دائروں کو جگمگا دیں،

○ ہمارے انفرادی اور اجتماعی تمام امراض کا علاج اور
○ وہ رحمت اور بخشش جو زندگی کے بوجھ کو خوشی خوشی اٹھانے کے لیے اور اس زندگی میں آخرت کی کامیابی تک پہنچنے کے لیے طاقت اور حوصلہ دیتی ہے۔

یہ خزانے تمام مسافروں اور متلاشیان کے لیے موجود ہیں۔ مجھے کوئی شبہ نہیں کہ وہ ان کے لیے آج بھی اسی طرح دستیاب ہیں جس طرح چودہ سو سال قبل اپنے سننے والوں کو دستیاب تھے۔ لیکن قرآن اپنے ماننے والوں سے وہی مطالبہ اب کرتا ہے جو اس نے اس وقت کیا تھا۔ اس کو سنا اور سنوایا جائے، خود سمجھا اور سمجھایا جائے، اس کے مطابق خود زندگی گزاری جائے اور دوسروں کو بھی دعوت دی جائے کہ وہ بھی اس کے مطابق زندگی گزاریں۔ پوری انسانی زندگی کو قرآن کے تحت گزارنے کی جدوجہد کی جائے، تب ہی قرآن اپنے دروازے ہمارے لیے کھولے گا اور تب ہی یہ ہماری تقدیر بنے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی میرے اوپر بہت بڑی رحمت ہے جس پر میں اس کا کبھی بھی کماحقہٗ شکر ادا نہیں کرسکتا کہ مجھے ان خزانوں میں سے کچھ حصہ ملا ہے۔ یہ اس کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے جو اس کا مستحق بننے کے لیے میں نے کیا، لیکن ان وسیع سمندروں کے مقابلے میں بہت کم ہے جو قرآن کے پاس دینے کے لیے ہیں۔ اسی احساسِ فرض کے تحت جو خدا اور اس کے رسول کی جانب سے ہر مسلمان پر عائد ہے، میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے جو کچھ قرآن میں جانتا ہوں، خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، دوسروں کو بھی اس میں شریک کروں۔ لیکن اپنے اعمال اور تقویٰ کی کمی اور قرآن کا مفسر یا عالم نہ ہونے کی وجہ سے، جو کچھ میں کہتا رہا ہوں اسے شائع کرنے کے بارے میں مجھے تامل رہا۔ مگر بہت سے احباب جو یہ سنتے تھے ہمیشہ مجھ سے یہ چاہتے کہ میں پڑھنے والوں کے وسیع دائرے تک بھی اسے پہنچاؤں۔ اسی لیے یہ مختصر کتاب "کلیدِ البقرہ" پیش ہے جو مجھے امید ہے کہ مستقبل کی ایک مجوزہ: قرآن کے خزانے سیریز (Treasures of the Quran Series) کی آخری کتاب نہیں ہوگی۔

جیسا کہ میں نے قرآن کا راستہ کے پیش لفظ میں لکھا ہے میرا ایک الگ کتابچہ لکھنے کا کوئی بہت بڑا مقصد نہیں ہے۔ یہ کوئی علمی شاہکار نہیں ہے۔ میں قرآن سیکھنے کے شائق عام لوگوں کے لیے، خاص طور پر اُن مردوں اور عورتوں کے لیے لکھ رہا ہوں جو اس کے مطابق زندگی گزارنے کی پُرزور خواہش رکھتے ہیں۔ میں ان باتوں کے بارے میں لکھ رہا ہوں جو ابھی خود سیکھ رہا ہوں، جیسے ایک مسافر دوسرے ساتھی کو راستہ بتائے۔ قاری کو اس کتاب میں گرامر اور فلسفے کے باریک نکات نہیں ملیں گے۔ نہ فقہ کی تفصیلات، اور نہ دوسرے فلسفیانہ مباحث۔ میرا واحد مقصد یہ ہے کہ قرآن کا پیغام اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کا اس کا مطالبہ، ہر پڑھنے والے کے دل و دماغ تک پہنچے۔ اپنی کوتاہیوں کے باوجود مجھے پوری امید ہے کہ میں ان میں ایک نئی حرارت اور زندگی پیدا کرسکوں گا کیونکہ مجھے قرآن کے اس وعدے پر یقین ہے کہ "ہم نے قرآن کو یاددہانی کے لیے آسان بنایا ہے"۔

ہم ایک ایسے زمانے میں رہ رہے ہیں جب اپنی زندگیوں کو قرآن میں ڈھالنا نہایت فوری اور ضروری ہے۔ اس کے بغیر ہم مسلمان ہرگز اپنے آپ کو بھی دریافت نہیں کرسکتے۔ اس کے بغیر ہمارے اپنے وجود کے کوئی معانی نہیں بنتے، ہم اس دنیا میں عزت و وقار حاصل نہیں کرسکتے اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے مالک و خالق کو بھی راضی نہیں کرسکتے۔ قرآن کے بغیر انسانیت بھی ایک گمراہی سے دوسری گمراہی کے گڑھے میں گرتی چلی جائے گی۔

قرآن اُمّتِ مُسلمہ کو کیا نصب العین اور مقصد دیتا ہے اور اُس نصب العین اور مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اُمّت کو کس طرح تشکیل دیتا ہے اور یہ کام انجام دینے کے لیے ذہن و قلب کے، اخلاق و اطوار کے، نیکی و عبادت کے، اجتماعی زندگی اور اداروں کے کیا کیا وسائل درکار ہوں گے، یہ سب کچھ سورہ البقرہ کی ۲۸۶ آیات میں نہایت خوب صورتی سے سمودیا گیا ہے۔

سورت کی پوری تفسیر بہت اہم ہے' لیکن یہ ایک بہت بڑا کام ہوتا اس لیے میں نے پوری سورت کا ایک مختصر جائزہ لینے اور مرکزی موضوعات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بجائے خود بھی یہ ایک زیادہ مفید کام ہے۔ علاوہ ازیں یہ دلوں میں یہ جذبہ بیدار کرسکتا ہے کہ سورت پر تفصیل سے غور وفکر کیا جائے۔ اور اس کام کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے' انھیں اپنے اندر پیدا کیا جائے۔ مختصر یہ کہ امید ہے کہ یہ کاوش سورۃ البقرہ کے فہم اور بالآخر پورے قرآن کے لیے ایک کلید ثابت ہوگی۔

میں خصوصی طور پر عبدالرحیم قدوائی اور سہیل ناخدا کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے پورے مسودے کو پڑھا اور قیمتی مشورے دیے۔ میں صہیب حسن' سلیم کیانی' عبدالرشید صدیقی' عبدالعزیز' بتول التومہ' فاروق مراد' عطاء اللہ قریشی اور زاہد پرویز کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں' جن کی اس تحریر کی افادیت کے بارے میں رائے نے مجھے یہ کام مکمل کرنے کے لیے حوصلہ کیا۔

جو غلطیاں ہیں میں خود اُن کا ذمہ دار ہوں۔

آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے' میری کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف فرمائے' جو کچھ میں کہتا ہوں اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرا شمار ان لوگوں میں نہ کرے جو' جو کہتے ہیں' وہ کرتے نہیں۔

لسٹر

خرم مراد

۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

۱۲ اگست ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

البقرہ

سورۃ البقرہ قرآن کی دوسری اور طویل ترین سورت ہے۔ اس میں ۲۸۶ آیات ہیں اور یہ تقریباً اڑھائی پاروں پر مشتمل ہے۔ البقرہ کو قرآن کے آغاز ہی میں رکھا گیا ہے۔ الفاتحہ کے فوراً بعد ہی ہم اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح شمار کیا جائے تو یہ دوسری سورت ہے لیکن کئی لحاظ سے یہ پہلی ہے۔ اگر ہم الفاتحہ کو قرآن کا مقدمہ سمجھیں تو البقرہ اس کا پہلا باب ہے۔ اگر الفاتحہ انسانی قلب کی گہرائیوں سے اپنے خالق کے سامنے نکلنے والی پکار ہے جو اس زمین پر درست زندگی گزارنے کی ہدایت کے لیے اپنی فوری ضرورت اور انحصار کا اظہار ہے ___ جو کہ یہ ہے ___ تو البقرہ اس انسانی طلب کا اللہ کی جانب سے پہلا جواب' درست زندگی گزارنے کا پہلا سبق اور صراط مستقیم پر پہلا قدم ہے۔ اگر فاتحہ کی آیات مکمل قرآن کا بیج' بنیاد' کل اور اصل ہیں ___ جیسی کہ وہ ہیں ___ تو البقرہ اس نئے بیج کا پہلا پھل ہے اور کیا ہی عمدہ پھل ہے! ایک پاک درخت جس کی جڑیں مضبوط ہیں' جس کی شاخیں آسمان تک پہنچتی ہیں جو اپنے مالک کی اجازت سے اپنے پھل ہر موسم ہر زمانے میں دیتا ہے۔ (ابراہیم ۱۴:۲۴'۲۵)

گو کہ اسے قرآن کے شروع ہی میں رکھا گیا ہے' لیکن زمانی اعتبار سے البقرہ کی

تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز موجودہ ترتیب کی کیا حیثیت ہے؟

بعض علما کے مطابق صحابہؓ نے سورتوں کو اپنے اجتہاد کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ وہ اس سے بہتر ترتیب قائم نہ کر سکتے تھے کہ سب سے طویل کو شروع میں رکھیں اور بتدریج سب سے مختصر کو آخر میں۔ دوسروں کے مطابق' رسولؐ اللہ نے خود اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں یہ ترتیب دی' جسے توقیفی کہا جا سکتا ہے۔ یہ ترتیب موضوعاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شواہد حتمی طور پر دوسری رائے کی تائید کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر مستند روایت کے مطابق جب کوئی نئی وحی آتی تھی تو رسولؐ اللہ کاتبین کو بتاتے تھے کہ اسے کہاں رکھیں (سیوطی)۔ علاوہ ازیں رسولؐ اللہ کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے ہی سورتوں کی موجودہ ترتیب قائم کر دی گئی تھی اور یہ زمانی نہیں ہے۔ وہ نمازوں میں ان کی تلاوت اور ان کی تعلیم موجودہ شکل اور ترتیب ہی میں کرتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ رمضان میں جبریل علیہ السلام کی موجودگی میں پورے قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے (سیوطی)۔ علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی سورتوں کے اختتامی کلمات اگلی سورت سے واضح موضوعاتی ربط رکھتے ہیں۔

جہاں تک میں سمجھا ہوں' قرآن کو زمانی کے بجائے موجودہ ترتیب دینے کی دو وجوہات ہیں:

اوّل: قرآن زمان و مکان کے ایک خاص موقع پر' ایک خاص مقام پر اور کچھ خاص لوگوں میں نازل کیا گیا' لیکن قرآن آنے والے تمام زمانوں کے لیے اور تمام لوگوں کے لیے اللہ کی طرف سے مستقل ہدایت ہے۔ اس کی تاریخی ترتیب کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے اور اس ترتیب کا پتا بھی نہ چلنے سے' جو بہت سے مستشرقین کے لیے مایوسی اور جھنجھلاہٹ کا سبب ہے' یہ زمان و مکان کے مخصوص تاریخی حوالے سے بلند کر دیا گیا ہے اور لا زمان (timeless) بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ تمام مواقع کے لیے بامعنی اور قابلِ عمل ہو جاتا

آیات مدنی دور کے بعد کے زمانے میں مختلف موقعوں پر نازل ہوئیں' یہاں تک کہ الواحدی کی روایت کے مطابق آیت ۲۸۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے موقع پر یعنی اتنی تاخیر سے نازل ہوئی۔

البقرہ کا مقام

آخر البقرہ کو قرآن کے بالکل آغاز میں کیوں رکھا گیا ہے؟ خاص طور پر جب کہ اس کے مضامین بنیادی عقائد کے بجائے' جو اوّلیت رکھتے ہیں' اور اس لیے ابتدائی دور کی وحی میں بنیادی اور نمایاں اہمیت رکھتے ہیں' مسلم اُمّت کی برادری اور اس کی اجتماعی زندگی کے گرد گھومتے ہیں۔ آیئے سب سے پہلے اسی سوال پر غور کریں۔

اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔ اس کے جواب سے ہمیں اس سورت کے معانی کو سمجھنے کے لیے اہم کلید فراہم ہوگی۔ اس لیے کہ قرآن میں کوئی بات بھی بغیر وجہ اور مقصد نہیں ہے۔ اس اصول کو قرآن فہمی کے لیے ہمارے انداز اور طریقہ کار میں ایک بنیادی اصول ہونا چاہیے۔ ہم ہر موقع پر سوال کیوں کا جواب حاصل نہ کر سکیں' ہر بات میں پوشیدہ معنی معلوم نہ کر سکیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر نکتے پر یہ سوال اٹھائیں۔

تاہم ہمیں دو باتیں یاد رکھنی چاہییں' اوّل: جس مطلب تک بھی ہم پہنچیں یہ بہت اہم ہے کہ ہم ہمیشہ اس کو ایک انسانی کوشش سمجھیں جس میں غلطی ہو سکتی ہے اور ہرگز اسے من جانب اللہ قرار نہ دیں۔ دوم: کوئی ایسا جواب قبول نہ کیا جائے جو اُمّت کے متواتر اجماع سے یا قرآن کے مجموعی مزاج سے ٹکراتا ہے۔ یہ دو تنبیہات ذہن میں ہوں تو قرآن فہمی کی کوشش میں ہر ہر قدم پر سوال: ''کیوں'' اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔

البقرہ کے بارے میں مذکورہ بالا سوال اس وسیع تر سوال کا حصہ ہے کہ قرآن کو نزولی ترتیب کے مطابق کیوں نہیں مرتب کیا گیا' موجودہ ترتیب کیوں ہے جب کہ اس کا زمانی

ہے۔ اگر اسے زمانی ترتیب دی گئی ہوتی تو یہ وقت اور مقام کے ساتھ قید ہوجاتا اور اس کی افادیت ختم ہوجاتی۔ پھر یہ محض ایک تاریخی واقعہ ہوتا' یہ زمانے سے ماورا نہ رہتا۔

وحی کا موقع یعنی شانِ نزول موجود ہے۔ اس کی اپنی افادیت ہے۔ جہاں ضروری ہو' یہ کسی مخصوص وحی کا تاریخی پس منظر بتانے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ ہمیں اسے اپنے سیاق میں سمجھنے میں مدد دیتے ہیں' اس سے پہلے کہ ہم اس کو ایک عمومی مفہوم دیں یا اس کو ایک نئے سیاق میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ قرآن کو اس کے وقت اور مقام کے ساتھ جوڑے بھی رکھتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں برِعظیم کے مشہور عالم' شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۲ء-۱۷۶۳ء) کی بات سننا چاہیے۔ تفسیر کے اصولوں پر اپنی اہم تصنیف میں وہ یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے کسی بھی حصے کی 'شانِ نزول'، 'انسانیت کو درست عقائد اور عمل کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ ان کے مطابق جو شانِ نزول بیان کی جاتی ہیں' ان میں سے بیشتر قرآن کا مطلب سمجھنے کے لیے بالکل ضروری نہیں ہیں۔ ان میں بہت سوں کی سند بھی مشتبہ ہے۔ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر)

دوم: جس وقت قرآن نازل ہورہا تھا تو اس کے پہلے مخاطب غیر مسلم اور وہ لوگ تھے جو اس کا انکار کرنے پر مصر تھے اور یا وہ تھے جو ایمان لائے تھے اور مطلوبہ اُمت مُسلمہ کی شکل میں تشکیل دیے جارہے تھے۔ تکمیلِ وحی کے بعد' اور اُمت مُسلمہ کی تشکیل کے بعد اور اُس وقت جو انکار اور اختلاف تھا اس کے ختم ہونے کے بعد' آنے والے تمام زمانوں کے لیے اس کا پہلا مخاطب اُمت مُسلمہ کو ہونا تھا۔ اس لیے کہ یہ کتاب اُمت مُسلمہ کی امانت میں دی گئی ہے اور اسے یہ ذمہ داری دی گئی ہے کہ اس کی حفاظت کرے' اس کو سمجھے' اس کی تعبیر کرے' اس کے مطابق زندگی گزارے اور دوسروں کو بھی دعوت دے کہ وہ اس کے مطابق زندگی گزاریں۔ اس لیے نزولِ وحی کے وقت بنیادی پیغام' عقائد اور قرآن کی جو مخالفت کی جارہی تھی' ساتھ ہی مسلم شخصیت اور مسلم برادری کی تشکیل کے بہت بڑے کام کو اوّلیت دی

جانی چاہیے تھی' مگر تکمیل کے بعد اُمت مُسلمہ' اس کا مقصد' منزل' ضروریات اور اجتماعی معاملات کو اوّلیت دی جانی چاہیے۔ یہ اُمت جو قرآن پر ایمان رکھتی ہے اور قرآن سے اپنی شناخت حاصل کرتی ہے' اسے آنے والے تمام زمانوں میں موجود رہنا اور اس سے فائدہ اٹھانے والوں میں سب سے پہلے ہونا تھا۔

اگر ہم البقرہ کے مضامین کو اس روشنی میں دیکھیں' تو اسے قرآن کے آغاز میں رکھنے کی وجہ بالکل واضح ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن البقرہ میں اُمت مُسلمہ کا مشن بیان کرتا ہے' اس کو جذبہ اور تحرک دیتا ہے اور اپنے مشن کی تکمیل کے لیے اسے جن بنیادی وسائل اور اداروں کی ضرورت ہے' وہ فراہم کرتا ہے۔

البقرہ کے فضائل

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے البقرہ کے فضائل اور خوبیوں کا بہت اچھی طرح ذکر کیا۔ سہل ابن سعد سے آپؐ نے فرمایا: ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورہ البقرہ ہے۔ جو کوئی اپنے گھر میں دن میں اس کی تلاوت کرے گا' شیطان اس کے گھر میں دن کو داخل نہیں ہوگا اور جو رات کو اس کی تلاوت کرے گا' شیطان اس کے گھر میں تین راتیں داخل نہیں ہوگا۔ (ابن کثیر' طبرانی)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوتا جس گھر میں البقرہ کی تلاوت ہوتی ہے۔ (مسلم' ابن کثیر)

ابوعمامہ الباہری روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: قرآن کی تلاوت کرو' یہ اپنے ساتھیوں کی شفاعت کرے گا۔ دو روشن سورتوں البقرہ اور آل عمران کی تلاوت کرو اس لیے کہ قیامت کے دن وہ دو بادلوں یا روشنی سے بھرے ہوئے دو شامیانوں یا پرندوں کے دو

غولوں کی طرح آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارش کر رہی ہوں گی۔ البقرہ کی تلاوت کرو اس لیے کہ اس کے سیکھنے میں برکت ہے اور اس کو نظرانداز کرنے میں بڑا پچھتاوا ہے۔ صرف کاہل اور تن آسان اس کی تلاوت نہیں کرتے۔ (مسلم' ابن کثیر)

- ابی بن کعب سے آپؐ نے فرمایا: جو اس کی تلاوت کرتا ہے اس پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس کو وہ مقام حاصل ہوگا جو اللہ کی راہ میں ایک سال تک استقامت کے ساتھ جہاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کرو کہ وہ سورۃ البقرہ سیکھیں۔ (قرطبی)
- البقرہ معانی کا سمندر ہے' جتنا کوئی اس کے اوپر سوچتا اور غور کرتا ہے اتنا ہی اس کو ہدایت' دانش اور روشنی کے بیش قیمت جواہر ملتے ہیں۔ اس میں موجود معانی کے سمندر کے بارے میں' ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ انھیں صرف سورۃ البقرہ سیکھنے میں آٹھ برس سے زیادہ لگے۔ (سیوطی)

البقرہ کا مرکزی موضوع

ہر سورت ایک وحدت ہے۔ بظاہر ایک نظر میں اس کے مضامین کتنے ہی منتشر لگیں' اس میں معانی اور پیغامات ایک مربوط اور مرتب انداز سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر سورت کا ایک مرکزی موضوع ہوتا ہے جس کے گرد اس کے تمام مضامین بُنے ہوئے ہوتے ہیں۔ البقرہ کا مرکزی موضوع کیا ہے؟ میری رائے میں اس کا مرکزی موضوع اُمت مُسلمہ کا مشن ہے: اس کی تعریف کرنا' اسے بیان کرنا' اُمت کو اس کی تکمیل کے لیے آمادہ کرنا' اُبھارنا اور تیار کرنا' اور اس مشن کو ترک کرنے یا اس سے کوئی انحراف کرنے کے خلاف تنبیہ کرنا اور تحفظ فراہم کرنا۔ یہ موضوع آیت نمبر ۱۴۳ میں بیان کیا گیا ہے:

ہم نے تم کو اُمت وَسَط بنایا ہے تاکہ تم انسانیت کے لیے گواہ ہو جیسے کہ رسولؐ تمھارے اُوپر گواہ تھا۔

کس بات کے گواہ؟— اللہ کی دی ہوئی ہدایت اور حق کے گواہ' اس بات کے کہ اللہ ہی واحد الٰہ ہے (توحید)' قرآن اللہ کی کتاب ہے' آخری نبی سچے نبی ہیں' اُس پیغام کے گواہ جو وہ لے کر آئے (رسالت)' اور آخرت کے گواہ۔

مسلمانوں کی برادری ایمان کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے' اس لیے یہ عقیدے کی برادری ہے۔ ایمان کا مطلب ہے اللہ اور اس کے پیغام کے ساتھ ذاتی طور پر عملی اور مکمل وابستگی۔ اس کا تقاضا ہے کہ اپنے آپ کا کُل کا کُل اللہ کو دے دیا جائے (آیت ۲۰۸)۔ اور جو قربانی وہ طلب کرے وہ پیش کی جائے' حتیٰ کہ خود زندگی کی قربانی بھی۔ ایمان' اُمت کی شناخت ہے۔ ایمان انفرادی اور اجتماعی طاقت کی بنیاد ہے۔ شهداء على الناس کا منصب بھی اس لیے مرکزی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ ایمان کا آخری تقاضا ہے۔ اس لیے' ایمان کی دعوت پوری سورت میں جابجا پھیلی ہوئی ہے۔

خطاب اجتماعی ہے: یاایہا الذین امنوا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی جگہ قرآن کسی شخص کو ذاتی حیثیت میں مخاطب نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کو اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک اجتماعی وجود پیدا کرنا چاہیے۔ پس' مخاطب اُمت ہے۔ جہاں کسی طویل سلسلہ آیات (آیات: ۴۰ تا ۱۲۳) میں بنی اسرائیل سے خطاب کیا گیا ہے' وہاں بھی اصل مقصد یہ ہے کہ ایمان کی بنیاد پر وجود میں آنے والی نئی برادری کو بتایا جائے کہ ایسی برادری کہاں کہاں ٹھوکر کھا سکتی ہے۔ قلب و ذہن کے' اخلاق و آداب کے' معاملات اور رویوں کے کون کون سے امراض داخل ہو سکتے ہیں جو برادری کے ڈھانچے کو تباہ کر سکتے ہیں۔

البقرہ کے حصے

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ البقرہ کو کچھ متعین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کے اپنے موضوع ہیں لیکن یہ حصے بھی ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ ان حصوں کو مزید ذیلی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بتائی گئی ہے' لیکن غور وفکر اور تفہیم کو بہت آسان کر دیتی ہے۔ میری فہم کے مطابق سورت کے ایسے سات حصے ہیں۔

حصہ اوّل: آیات ۱ تا ۳۹ (۳۹ آیات)۔ ہدایت کی بنیادیں۔

حصہ دوم: آیات ۴۰ تا ۱۲۳ (۸۴ آیات)۔ بنی اسرائیل' ایک مسلم اُمت زوال کی کیفیت میں' عہد شکنی اور قلب وعمل کے امراض۔

حصہ سوم: آیات ۱۲۴ تا ۱۵۲ (۲۹ آیات)۔ پیغمبرانہ مشن اُمت مُسلمہ کے سپرد کرنا۔

حصہ چہارم: آیات ۱۵۳ تا ۱۷۷ (۲۵ آیات)۔ کلیدی انفرادی خصائص' دین اور شریعت کے بنیادی اصول۔

حصہ پنجم: آیات ۱۷۸ تا ۲۴۲ (۶۵ آیات)۔ اجتماعی زندگی کے اصول' قوانین اور ادارے (عبادت' جان مال اور خاندان کا تقدس)۔

حصہ ششم: آیات ۲۴۳ تا ۲۸۳ (۴۱ آیات)۔ مشن کی تکمیل کے ذرائع: جہاد اور

انفاق۔

حصہ ہفتم: آیات ۲۸۴ تا ۲۸۶ (۳ آیات)۔ آخری بات: اخلاقی اور روحانی سرچشمے۔

حصہ اوّل:

ہدایت کی بنیادیں (آیات ایک تا ۳۹)

آیات ۱ تا ۱۹ میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کی بھی جو یہ فائدہ نہیں اٹھاتے۔

یہ بڑی اہم بات ہے کہ سورہ کا آغاز اس اعلان سے ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے اور اس کی سند کے ساتھ ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شبہ نہیں (آیت: ۱)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اعلان پورے قرآن میں بہت سی سورتوں کے آغاز اور درمیان میں اکثر دہرایا گیا ہے۔ اس طرح قاری کامل احترام' ذوقِ طلب اور سمجھنے اور سرِتسلیم خم کرنے کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ کتاب کس مقصد سے نازل کی گئی ہے؟ ہدایت دینے کے لیے۔ کس کو ہدایت دینی ہے اور کس بات کی ہدایت دینی ہے؟ ہدایت ان کے لیے جو متقی ہیں' جن میں نیکی' خدا کا شعور یعنی تقویٰ کی صفت پائی جاتی ہے یا ان کے لیے ہدایت جو متقی بننا چاہتے ہیں۔

متقیوں کی صفات کچھ تفصیل سے بیان کی گئی ہیں (آیت ۲ تا ۵)۔ یہ ہم کو یہاں روک نہ لیں' ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر آگے قرآن متقین کا تفصیلی بیان تعمیر کرتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا مطلب عام طور یہ سمجھا جاتا ہے کہ صرف وہی لوگ جو تقویٰ اور

اس سے پیدا ہونے والی صفات رکھتے ہیں' قرآنی ہدایت سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ اگر اسے ایک لازمی پیشگی شرط سمجھا جائے تو ان صفات کو ان کے اصل لغوی مفہوم میں سمجھنا چاہیے نہ کہ مکمل قرآنی مفہوم میں۔ ورنہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہدایت پانے کے لیے آدمی کو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہونا چاہیے۔ ایک مفہوم میں یہ معانی بھی درست ہیں۔ اس لیے کہ تقویٰ اختیار کرنے کے امکانات لامحدود ہیں۔ ابتدا سے ترقی یافتہ اور اعلیٰ مراحل تک جانے کے لیے کسی نہ کسی درجے میں تقویٰ موجود ہونا چاہیے:

وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی ہے' اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے' اور انھیں ان کے حصے کا تقویٰ عنایت کرتا ہے۔ (محمد ۴۷:۱۷)

مگر ایک بامعنی اور بہتر مفہوم یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت افراد اور افراد کے گروہوں یا قوموں کو متقین بننے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اسی طرح جیسے کہ ہم کہتے ہیں یہ ایم اے کا کورس ہے تو ہمارا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کورس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایم اے ہونا پیشگی شرط ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کورس ایک آدمی کو ایم اے تک پہنچا دے گا۔ پس ابتدائی آیات (۱ تا ۵) بیان کرتی ہیں کہ قرآن کس طرح افراد اور قوموں کو متقی بنانے کے لیے آیا ہے۔ صراط مستقیم بھی تقویٰ کی زندگی ہے۔ آگے ہم دیکھیں گے کہ تقویٰ کی زندگی اور اس دنیا میں اور آخرت میں اس کے خوش گوار نتائج قرآن کا مستقل موضوع ہیں۔

اصل لغوی مفہوم میں پیشگی شرط کے طور پر تقویٰ سے مراد صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت' اور وہ باطنی طاقت ہے جس سے آدمی صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط تسلیم کرے اور جس بات کو غلط تسلیم کرے اس سے اپنے آپ کو بچانے پر قادر ہو۔

پھر سورت ان لوگوں کا بیان کرتی ہے جو اللہ کی ہدایت سے ہرگز بھی فیض یاب نہیں ہوں گے۔

اس میں سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جو اپنی مرضی سے قرآن کو اللہ کا کلام ماننے سے

انکار کرنے پر مصر ہیں۔ نتیجتاً ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے (آیات: ۶'۷)۔ پھر وہ لوگ ہیں جو بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر درحقیقت ایمان نہیں رکھتے (آیات: ۸ تا ۲۰)۔ ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک سرے پر وہ لوگ ہیں جو دشمن ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں' فساد پھیلاتے ہیں اور انھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کا سودا کرلیا ہے (آیت: ۱۶)۔ یہ اپنی مرضی سے منافق ہیں: اندھے بہرے اور گونگے' یہ لوٹنے والے نہیں ہیں (آیت: ۱۸)۔ دوسرے سرے پر وہ لوگ ہیں جو ایمان تو رکھتے ہیں لیکن ایمان جب آزمائش اور قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے تو ثابت قدم نہیں رہتے۔ یہ ایمان اور ارادے کے ضعف کی وجہ سے منافق ہیں: جب روشنی ہوتی ہے تو چلتے ہیں اور جب ان کے گرد تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ ٹھیر جاتے ہیں۔ (آیت: ۲۰)

اس کے بعد یہ سورت ساری انسانیت کو قرآن کے مرکزی پیغام کی طرف بلاتی ہے: صرف اللہ کی عبادت کرو' کسی کو اس کے برابر یا شریک نہ بناؤ (آیات ۲۱'۲۲)۔ اس پیغام کو مستند بنانے کے لیے یہ قرآن کے من جانب اللہ ہونے کو اور اس طرح رسولؐ کی حقانیت کو ثابت کرتی ہے (آیات ۲۳-۲۵)۔ ان دونوں کا رشتہ زندگی کے مقصد اور معانی کے ساتھ جوڑنے کے لیے یہ زندگی بعد موت کی حقیقت کو واضح کرتی ہے (آیات ۲۸'۲۹)۔ درمیان میں ان لوگوں کی فکر اور اخلاق کے امراض بیان کیے جاتے ہیں جو قرآن سننے کے باوجود گم کردہ راہ ہیں۔ وہ قرآن خصوصاً اس کی مثالوں پر سوال اٹھاتے ہیں' شبہ ظاہر کرتے ہیں اور جھگڑتے ہیں: وہ عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑتے ہیں' اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے' اسے کاٹتے ہیں' اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ (آیت: ۲۷)

اس طرح ہم ان آیات ۲۱ تا ۲۹ میں قرآن کے مکمل پیغام کا رواں خلاصہ پاتے ہیں۔

آیات ۳۰ تا ۳۹ میں تخلیق انسانی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے قرآن کا تصور جہاں (world view) اور فطرتِ انسانی کا اس کا تصور واضح ہوتا ہے۔ انسان کو علم اور

ارادے کی آزادی دی گئی ہے۔ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ اس لیے اس کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود اور ہدایات کے اندر زندگی گزارنا چاہیے۔ ایسا کرنے کے لیے اسے خیر اور شر کے درمیان انتخاب کرنے کی مسلسل کش مکش کا سامنا ہے۔ وہ اخلاقی طور پر ایک ذمہ دار آزاد ہستی ہے' اس لیے اس سے اس کش مکش میں گناہ کرنے کا امکان ہے۔ خیر و شر کی اس کش مکش کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اپنے گناہوں پر قابو پانے کے لیے اس کو اللہ کی طرف سے دو نعمتیں دی گئی ہیں۔ اوّل: توبہ قبول کرنے کا وعدہ' یعنی جب بھی گناہ کرنے والا اس کی طرف پلٹ کر آئے اسے معاف کرنے کا وعدہ' جیسے اس نے حضرت آدم کو معاف کیا (آیت: ۳۷)۔ دوم: اللہ کی طرف سے ہدایت بھیجنے کا وعدہ جیسا کہ اس نے حضرت آدم کو بتایا تھا۔ (آیت: ۳۸)

حصہ دوم:

ایک مسلم اُمّت کا زوال' عہد شکنی اور قلب و عمل کے امراض (آیات ۴۰ تا ۱۲۳-۸۴ آیات)

ان لوگوں کے بیان کے فوراً بعد جو قرآن کی ہدایت سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں' پوری انسانیت کو خالق و مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی گئی ہے' پھر تخلیق انسانی کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد قرآنی تصورِ جہاں کی وضاحت ہے' انسانی نفسیات کا تذکرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور معافی پر انسان کے مکمل انحصار (آیات ۳۰-۳۹) کا ذکر ہے۔ اس کے بعد البقرہ کا رخ ۸۴ طویل آیات میں' جو ایک تہائی سورت کے برابر ہیں' اپنے وقت کی یہودی قوم' بنی اسرائیل کی طرف مڑ جاتا ہے۔ وہ اُنھیں ان پر اللہ تعالیٰ کے بے پایاں انعامات کی یاد دلاتا ہے اور ان کی ناشکری' احکامات سے اُن کی سرتابی اور ان کے قلب اور ایمان و عمل کے بڑے بڑے امراض کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ مختصراً' یہ اللہ تعالیٰ سے ان کی عہد شکنی کی ایک طویل داستان ہے۔

قرآن ایسا کیوں کرتا ہے؟ وہ بالکل آغاز ہی میں اتنے اہم موقع پر کیوں بنی اسرائیل سے اتنی تفصیل سے بحث کرتا ہے؟ سب سے پہلے ہم اس اہم سوال پر غور کرتے ہیں۔

کیا یہ مدینے میں یہودیوں کی موجودگی کی وجہ سے ہے؟ یقیناً مدینے میں یہودی تھے۔ انھیں اسلام کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور قرآن کو ان کی جہالت سے' اور رسولؐ اللہ اور ان کے پیغام کے ساتھ ان کا جو رویہ تھا' اس سے بحث کرنا تھی۔ اس لیے یقیناً یہ ان آیات کی ایک وجہ یا شانِ نزول تھی۔ لیکن یہ اس حصے کے طول' اس کے موضوعات اور اُس کے سیاق کی توجیہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

جیسا کہ بہت سے مستشرقین کا خیال ہے' کیا یہ رسولؐ اللہ کو تسلیم کرنے سے یہودیوں کے شدید انکار اور شدید مخالفت پر ردِّعمل ہے۔ اس مؤقف کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت یا روایت نہیں ہے۔ قرآن اس طرح کا کلام نہیں ہے جس کا مقصد اپنے دشمنوں کے خلاف غصّے کا اظہار ہو اور پھر بالکل آغاز ہی میں ایسی بحث چھیڑ دے تاکہ آنے والے سب زمانوں میں اس کے تمام قارئین اس کا مشاہدہ کریں۔ یہاں اس طرح کا غصہ اور مذمت نہیں ہے' جس طرح کا ہم بائبل میں پاتے ہیں۔ رسولؐ اللہ یہودیوں سے معاملہ کرنے میں بہت آگے تک گئے' اور پوری تاریخ میں مسلمانوں نے ان سے ہمیشہ بہت اچھا سلوک کیا۔

اس کا اصل مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودیوں کی مذمت کرنا معلوم نہیں ہوتا بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام زمانوں کے مسلمانوں کے لیے آئینہ فراہم کیا گیا ہے کہ وہ اسے اپنے سامنے رکھ کر اپنے حالات اور تقدیر کا صحیح عکس دیکھ سکیں۔ قرآن کا بیان بنی اسرائیل کی اپنے مشن کو پورا کرنے میں ناکامی کے بارے میں فیصلہ بھی صادر کرتا ہے اور اس طرح اللہ کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے محمد رسولؐ اللہ کی قیادت میں ایک نئی مسلم اُمّت کو ان کی جگہ دینے کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

قرآن میں تاریخ کا بیان تاریخ کی خاطر نہیں ہے۔ مخصوص اقوام کے نام دیے گئے

ہیں لیکن یہ نام محض عنوانات ہیں۔ ان کے حالات کا بیان دراصل یہ بتانے کے لیے مثالیں ہیں کہ ان اقوام کے ساتھ کیا گزری اور کیوں گزری۔ ان مثالوں سے دوسرے لوگوں کو سبق سیکھنا چاہیے۔

مسلمان، ایک نئی ظہور پذیر اُمّت تھے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے امین اور انبیاے کرام، خصوصاً آخری نبیؐ کے مشن کے علم بردار کی حیثیت سے مقرر کیے گئے تھے جیسا کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل تھے۔ ان کی تاریخ کو ابھی ظاہر ہونا تھا اور مستقبل کی تاریخ کے بارے میں کوئی پیش گوئی بطور مثال، سبق یا تنبیہ نہیں کی جاسکتی تھی۔ عاد و ثمود کے لوگ مسلمان نہیں تھے لیکن بنی اسرائیل نے تو مسلمانوں کی طرح توحید کا پیغام قبول کیا تھا۔ وہ مسلمانوں کی طرح شہادتِ حق کے مشن پر سرفراز کیے گئے تھے۔ درحقیقت وہ اپنے وقت کی مسلم اُمّت تھے لیکن زوال کی حالت میں۔ اس لیے ان کی تاریخ اور رویے مطالعے کے لیے بہترین مثال تھے جو مسلمانوں کے سامنے شروع ہی میں رکھے جاسکتے تھے۔ وہ اس آئینے میں وہ سب کچھ دیکھ سکتے تھے جو ان کے ساتھ پیش آسکتا تھا۔ مقصد یہودیوں کو موردِ الزام قرار دینا نہیں، بلکہ مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر نہ چلیں۔ یہ آئینہ مسلمانوں کو دکھاتا ہے کہ کیا، کہاں اور کیوں غلطی ہوسکتی ہے اور اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: تم بنی اسرائیل کے راستوں پر چلو گے، قدم بہ قدم۔ (مسلم)

اس لیے اگرچہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے، اصل مخاطب مسلمان ہیں جو حاملِ قرآن اور اس کے امین ہیں۔ اس روشنی میں پڑھیے، کُل کی کُل ۸۴ آیات پوری آب و تاب سے سامنے آجاتی ہیں۔ وہ ابھی اور اسی وقت ہم مسلمانوں کے لیے پُرمعانی ہو جاتی ہیں۔ ہمیں نظر آتا ہے کہ اسرائیلی تاریخ کے مخصوص واقعات مثلاً سنہرا بچھڑا ہمارے ماضی اور حال کے واقعات ہیں۔

اگر ہم اس حصے کا زیادہ غور سے مطالعہ کریں تو اسے باہم مربوط تین ذیلی حصوں میں

تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس طرح مطالعہ کریں تو ہم اسے بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

پہلا ذیلی حصہ (آیات ۴۰ تا ۴۶) بنی اسرائیل سے ایک عام دعوتی خطاب ہے۔ یہ حصہ اس بارے میں نہایت قیمتی ہدایت فراہم کرتا ہے کہ ایک زوال پذیر مسلم اُمّت کے سامنے دعوت کس طرح پیش کی جائے۔ یہ بتاتا ہے کہ موضوعات کیا ہوں، انداز کیا ہو، ترجیحات کیا ہوں، اور کن امور پر زور دیا جائے۔ یہ ایسی اُمّت کے احیا کے طریقے اور پروگرام کے لیے نشاناتِ راہ بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ کھول کھول کر بتاتا ہے کہ دعوت و اصلاح کے کام میں کس حکمت کو اختیار کیا جائے۔ دیکھیے کہ بنی اسرائیل پر کسی بڑے حملے کے بغیر، ان کی بڑی بڑی کمزوریاں واضح ہو جاتی ہیں۔

قرآن سب سے پہلے اس نعمت کو یاد دلاتا ہے جو اللہ نے ہدایت کی صورت میں انھیں عطا کی اور انھیں اُبھارتا ہے کہ وہ اس کے لیے اللہ کے شکرگزار ہوں۔ پھر وہ انھیں پُرزور طریقے پر دعوت دیتا ہے کہ اس ہدایت کے حوالے سے اللہ سے اپنے عہد کو پورا کریں۔ ہماری اُمّت کے احیا کے لیے بھی اگر کوئی تحریک ہو تو یہ یاد دہانی اور دعوت اس کا آغاز اور حقیقی بنیادی پتھر ہونا چاہیے۔ پھر وہ ان کو دعوت دیتا ہے کہ اپنے مسلمان ہونے کے دعوے کی وجہ سے انھیں ایمان کا راستہ اختیار کرنے والوں میں سب سے پہلے اور آگے ہونا چاہیے۔ یہ ایمان، آخری رسولؐ اور جو کتاب انھیں دی گئی ہے اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے پر مرکوز ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایمان کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، نفاق کو بھی جڑ سے اُکھاڑ پھینکو، اس لیے کہ نفاق ایمان کے لیے سرطان کی طرح ہے۔ لیکن دیکھیے کہ منافقوں سے الزامی انداز: تم منافق ہو، کے بجائے کیا تم ......؟ کا استفہامی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ آخر میں، عہد پورا کرنے کے عظیم کام کو انجام دینے کے لیے جس استقامت کی ضرورت ہے، اس کے راز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یعنی صبر اور صلوٰۃ۔ دونوں صرف اس صورت میں حاصل کیے جاسکتے ہیں کہ اللہ کی طرف واپس پلٹ کر اس سے

ہونے والی ملاقات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔

زیادہ گہرا غور وفکر کیا جائے تو اس خطاب کی اُس خطاب سے جو پوری سورہ البقرہ میں مسلم اُمّہ سے کیا گیا ہے' غیر معمولی مماثلت نظر آئے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سات آیات میں بعد کے تفصیلی بیان کا خلاصہ آ گیا ہے۔

دوسرا ذیلی حصہ' جو آیات ۴۷ تا ۷۴ پر مشتمل ہے' بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے اہم نشانات منزل اور اس موقعے پر ان کے رویوں کو یاد دلاتا ہے۔ ہر واقعہ محض ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ ایک اہم سبق ہے جو ان کی زندگی کے کسی اہم پہلو سے بحث کرتا ہے۔ غور وفکر کیا جائے تو ہر واقعہ اپنے سبق' اپنے قیمتی معانی' فکر وعمل کے کسی اہم مرض یا کسی انحراف پر روشنی ڈالتا ہے جس کی وہ علامت ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان واقعات کو منتشر طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ مربوط کر کے بامعنی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر سنہرے بچھڑے کا واقعہ اس دنیا کی اشیا سے محبت کو پرستش کے لائق قرار دینے کی علامت ہے (آیت:۵۱)۔ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے فرعون سے نجات پانے کی بہت بڑی نعمت کے معاً بعد پیش آیا۔ ابھی کتاب ملی تھی اور نہ عہد و پیمان ہوئے تھے۔ یہ محبت جب اللہ سے محبت کے مقابلے پر آئے اور اس پر غالب ہو جائے تو زوال کی بنیادی وجہ ہوتی ہے۔ من وسلوٰی کا انکار' دراصل اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے جہادی زندگی سے انکار کی علامت تھا جس میں پُرآسایش' آرام دہ اور جمی جمائی زندگی کے بجائے سختیاں اور قربانیاں ہوتیں۔

ترکِ جہاد سے بالآخر ذلّت و مسکنت مسلّط ہو جاتی ہے (آیت:۶۱)۔ اسی طرح اصحاب سبت نے اللہ کے ساتھ جو چالیں چلیں (آیت:۶۵)' اور گائے کی قربانی کے معاملے میں جس طرح بال کی کھال نکالنے کا اور حجت بازی کا مظاہرہ کیا' اس کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ یہ شریعت اور اطاعت کو ترک کرنے کے مترادف ہے۔ جب شریعت ایک بے وقعت

چیز ہو جائے' جس کی پیروی کرنے کے بجائے اس سے کسی طرح بچنے کی فکر کی جائے تو انسان کے اندر کا متحرک وجود جمود کا شکار ہوتا ہے اور دل پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ (آیت:۷۴)

یہ سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آنی چاہیے کہ آج اُمّتِ مسلمہ کے شریعت اور جہاد کو اسی طرح ترک کرنے سے استعماری طاقتوں (خواہ وہ منگول ہوں یا مغرب) کی غلامی اور دلوں کے پتھر ہو جانے کی کیفیت سامنے آتی ہے۔

تیسرا ذیلی حصہ جو آیات ۷۵ تا ۱۲۳ پر مشتمل ہے' بنی اسرائیل کی تاریخ سے آگے بڑھ کر ان کے قلب و ذہن' ایمان و عمل اور طریقوں اور رویوں کی موجودہ کیفیت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ خاص طور پر جو بات بیان کی گئی ہے' وہ ان کا اللہ کے آخری رسول کا انکار اور مخالفت ہے۔ یہاں بتایا گیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' اسی طرح کے رویوں کی طویل تاریخ کا تسلسل ہے۔

اب آپ ہر الزام کو' چارج شیٹ کے ہر نکتے کو' الگ الگ لیں اور ان پر غور کریں۔ آپ اُمّت مُسلمہ کے زوال و احیا میں نہ صرف ان کا کلیدی کردار پائیں گے بلکہ گذشتہ زمانوں میں مسلم اُمّت کی جو حالتیں رہی ہیں ان سے بہت زیادہ مشابہت بھی پائیں گے۔ بنی اسرائیل نے حق کو جاننے اور قبول کرنے سے جان بوجھ کر انکار کیا۔ اسی طرح مسلمانوں نے کیا۔ یہود خدا کی کتاب کے معانی اور پیغام سے مکمل طور پر انجان بن گئے اور اس کے بجائے خیالی دنیا میں رہنے لگے (آیت:۷۸)۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوا۔ ان کے فاضل علما نے مقدس کتاب کے متن کو اس طرح توڑا مروڑا کہ مفید مطلب معانی نکلیں اور انھیں اس دنیا کے انعام ملیں (آیت:۷۹)۔ مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہود کے اندر فرقہ پرستی خوب پھولی پھلی۔ ایمان اور عمل صالح کے بجائے انھوں نے مذہبی لیبلوں کو اہمیت دی۔ وہ کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے تھے اور جو اُن کے مفید مطلب نہ ہوا اسے ایک طرف رکھ دیتے